SHABANA PERVEEN
Asst. Professor, Dept. of URDU
Vaishali Mahila College, Hajipur (B.B.A, Bihar University, Muzaffarpur)

B.A(H)PART II ,PAPER - 4

TOPIC:DASTAN FUN OR RIWAYAT

داستان فن اور روایت

داستان اُردو ادب کی قدیم اور اہم صنف ہے۔ داستانوں کی لسانی اور تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ تہذیبی اہمیت بھی ہے۔ داستانیں نظم اور نثر دونوں میں لکھی گئی ہیں مگر بنیادی طور پر انکی شناخت خیالی اور تصوراتی قصوں سے ہوتی ہے۔ اس اکائی کا مقصد طلبہ کو داستان کی صنف سے واقف کرانا ہے۔ طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس اکائی کو پڑھ کر مشق کے لئے دیئے گئے سولات حل کر سکیں گے۔

کہانی کی ایک ابتدائی شکل داستان ہے اور کہانی کی ابتدا وہیں سے ہوتی ہے جہاں سے انسانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ کہانی سُننا انسان کی فطرت میں شامل ہے اسی وجہ سے اس کا رشتہ انسانی زندگی سے بہت قدیم ہے۔ اپنی ذات سے نکل کر انسان جیسے جیسے کائنات اور اس کی وسعتوں سے آشنا ہوا اُس کی کہانیوں میں بھی وسعت پیدا ہوتی گئی۔ صحرانوردی اور خانہ بدوشی کی حالت میں پیش آنے والے حادثات و واقعات، کائنات کی وسعتیں اور نیرنگیاں ایسی چیزیں تھیں جنھوں نے کہانی میں نہ صرف طوالت کو داخل کیا بلکہ حیرت واستعجاب، رومان اور تخئیلی کو بھی کہانی کا حصہ بنایا۔ دھیرے دھیرے ان کہانیوں میں نہ صرف مافوق الفطرت عناصر نے جگہ پالی بلکہ مبالغہ آرائی اور تخئیلی فضا بھی اس کا جزو بن گئی اور یہ کہانی ''داستان'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ پروفیسر کلیم الدین احمد لکھتے ہیں۔

> ''داستان کہانی کی طویل، پیچیدہ، بھاری بھر کم صورت ہے۔ لیکن اپنی طوالت، پیچیدگی، بوجھل پن کے باوجود کہانی سے بنیادی طور پر مختلف نہیں۔ یہ بھی دل بہلانے کی ایک صورت ہے۔''

داستان کے اجزائے ترکیبی :

داستان گوئی ایک دلچسپ فن ہے۔ اس میں قصے کی تمام قسمیں شامل ہیں۔ داستان میں ایک مرکزی قصہ ہوتا ہے یا پھر قصہ در قصہ ہوتا ہے، جس کا تعلق حال سے زیادہ ماضی بعید سے ہوتا ہے۔ اس کا پلاٹ پیچیدہ اور اُلجھا ہوتا ہے۔ اور یہی اس کا حُسن ہے۔ قصہ کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہوتی۔ قصہ در قصہ واقعات اور حادثات کی ایک زنجیر ہوتی ہے جو طوالت کے باوجود تجسس اور دلچسپی کے ذریعہ داستان کو سنبھالے رکھتی ہے۔ تکنیکی اعتبار سے داستان کی کوئی باقاعدہ ہیئت نہیں ہوتی۔ نہ اس میں مربوط و مسلسل پلاٹ ہوتا ہے اور نہ مخصوص کردار نگاری۔ داستان کا سب سے بڑا اور واحد مقصد دل بہلانا اور تفریح طبع ہے اس لیے وہ خوشی و مسرت کا ایسا سرمایہ مہیا کرتی ہیں جس میں منطق اور استدلال کی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ بقول پروفیسر وقار عظیم ''اِن سب داستانون اور کہانیوں کا مقصد بنیادی طور پر صرف یہ ہے کہ وہ پڑھنے والے کی دلچسپی کا ذریعہ بن سکیں۔'' یعنی داستان کا بنیادی عنصر ہے دلچسپی اور دلکشی۔ یہ دلچسپی پیدا کرنے کے لئے داستان گوئی

طریقے استعمال کرتے ہیں۔مثلاً:

۱۔ قصے کو جہاں تک ہوسکے طول دیا جائے تاکہ پڑھنے والا زیادہ سے زیادہ عرصہ تک حقیقت کی دنیا کو بھول کر رومان اور تخیل کی دنیا کی سیر کرسکے۔

۲۔ مبالغہ آرائی کی جائے اور طلسمی واقعات سے داستان کو زیادہ سے زیادہ حیرت انگیز اور پر تجسس بنا دیا جائے۔

۳۔ حقیقی دنیا سے الگ پڑھنے والے کے لئے رومان اور تخیل کی ایک خوبصورت دنیا آباد کی جائے۔

۴۔ الفاظ اور جملوں کے استعمال میں احتیاط کی جائے تاکہ بیان کا حُسن قاری کو باندھے رکھے۔

گویا پلاٹ، کردار، مافوق الفطری عناصر، عشق و رومان، طوالت، تجسس اور اسلوب بیان اکثر داستانوں کے اجزا رہے ہیں۔

داستانوں کے ایک محقق پروفیسر گیان چند جین نے داستان کے ڈھانچے کی دو بڑی قسمیں بتائی ہیں۔ایک شکل میں پلاٹ واحد ہوتا ہے یعنی داستان چند کرداروں کی سرگذشت ہوتی ہے جو مسلسل بیان کردی جاتی ہے دوسری صورت میں پلاٹ بہت پیچیدہ ہوتا ہے۔ اصل دلچسپی کی حامل ضمنی کہانیاں ہوتی ہیں۔ یہ ضمنی کہانیاں داستان بڑھانے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔اس طرح داستان کو طول دیا جا سکتا ہے۔کبھی یہ ضمنی کہانیاں ایسی ہوتی ہیں کہ انھیں پلاٹ سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا۔اور کہیں ایسی ہوتی ہیں کہ انھیں نکال دیا جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

داستانوں میں ایک ہیرو ہوتا ہے جو اکثر شہزادہ ہوتا ہے۔اسے اپنے کسی مقصد کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔اس کے راستے میں کئی رکاوٹیں اور کئی مشکلات درپیش آتی ہیں جن کا مقابلہ وہ بڑی دلیری سے جان جوکھم میں ڈال کر کرتا ہے۔مثلاً شہزادہ کسی حسین وجمیل شہزادی کے حسن کی تعریف سن کر یا تصویر دیکھ کر اس پر عاشق ہوجاتا ہے۔دنیا کے سارے مشاغل سے اس کی دلچسپی ختم ہوجاتی ہے۔اس کا واحد مقصد شہزادی تک رسائی حاصل کرنا ہوتا ہے پھر حادثات اور مہمات کا طویل سلسلہ شروع ہوتا ہے۔شہزادہ بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کرتا ہے کبھی کبھی کسی مافوق فطرت قوت کی مدد سے کامیابی حاصل کرلیتا ہے۔ان مہمات کو سر کرنے کے بیان سے داستان میں دلچسپی کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔داستانوں کے ہیرو مثالی ہوتے ہیں۔وہ ساری خوبیوں کا مجسمہ ہوتے ہیں۔بے حد خوبصورت، دلیری اور جرأت میں بے مثال۔ بے انتہا دانشمند، وفادار، ثابت قدم غرض جتنی خوبیاں ہوسکتی ہیں، سب ان میں موجود۔داستان کی ہیروئن بھی اسی طرح بہت سی خوبیوں کی مالک، حسن میں بے مثال، اپنے ماں باپ سے زیادہ ہیرو کی وفادار، رحم دل، انصاف پسند غرض ہر طرح سے مثالی کردار کا نمونہ ہوتی ہے۔

داستانوں کے کردار بچپن سے لے کر آخر عمر تک ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ان میں کسی بھی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ داستانوں میں کردار نگاری کمزور ہوتی ہے۔کردار میں ارتقا کا فقدان ہوتا ہے۔

جس زمانہ میں داستانیں لکھی گئیں امراءعیش پرستی اور کاہلی کے عادی ہو چکے تھے۔اس لئے داستانوں میں ہیرو کے علاوہ دوسرے کردار بھی شراب نوشی کرتے ہوئے اور دادعیش دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

داستانون کا چرچا لکھنؤ میں زیادہ ہوا۔غالبًا اسی وجہ سے داستانوں میں وہاں کی معاشرت کی تصویر ملتی ہے۔بقول گیان چند جین:

> ''اردو داستانوں سے لکھنؤ اور دلی کی شاہی تہذیب کی پوری تاریخ مرتب ہو سکتی ہے۔ ہر جنس کی تفصیلات اکٹھا کی جائیں تو اپنے رنگ کی ایک انسائکلو پیڈیا تیار ہو سکتی ہے۔مختلف قسم کے کھانے،طرح طرح کے ملبوسات،سواری کے جانوروں کی آرائش، باجوں کے نام، راگوں کی اقسام،مطربوں کے فرقے، آتش بازی کی قسمیں۔ ظروف کی تفصیلات، شکاری جانوروں کے نام، ملازموں کے درجات، چوروں کے فرقے،آبی سواریاں غرضیکہ کتنی اصطلاحیں ہیں جو ان میں بھری پڑی ہیں۔داستانیں کیا ہیں ایک بے پایاں دنیا ہے۔''

داستانوں میں واقعات کی ترتیب میں پیچیدگی اور گہرائی کے بجائے تخیل کی بے لگامی نظر آتی ہے۔زماں و مکاں کا کوئی احساس ہی نہیں ملتا۔ داستان میں صرف دلچسپی برقرار رکھنا مدعا ہوتا ہے۔اور دلچسپی ایسی کہ ہر واقعہ کے بعد سامعین کا تجسس بڑھتا جائے اور سامعین انجام تک پہنچنے کے لئے بے چین رہیں۔ یہاں حقیقت اور واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

داستانوں میں مافوق فطرت عناصر سے ایک پراسرار فضا پیدا کی جاتی ہے۔ہیرو کی راہ میں دشواریاں اور رکاوٹیں پیدا کرنے کے لئے ان کا استعمال ہوتا ہے مثلاً ہیرو پر کسی جادوگرنی کا فریفتہ ہو جانا اور پھر اسے جادو سے پتھر یا ہرن بنا دینا وغیرہ۔اور پھر مافوق فطرت ہستیوں یا اشیا سے ہی مشکلات کو حل کرنے میں مدد لی جاتی ہے۔داستانوں میں مافوق فطرت ہستیوں اور مافوق العادت چیزوں کا غلبہ ہوتا ہے۔دنیا کی ہر قوم اور ہر زبان میں یہ عنصر پایا جاتا ہے۔ پہلے لوگون کو یقین تھا کہ مافوق العادت چیزوں اور ہستیوں کا وجود ہے۔آج بھی ترقی یافتہ ملکوں میں بھوت پریت، جادو ٹونا، یا کسی غیبی طاقت پر یقین رکھتے ہیں۔

اکثر داستانوں میں عشق بھی ایک اہم عنصر ہوتا ہے۔عشق کی شمولیت سے داستان کی دلچسپی اور رنگینی اور بڑھ جاتی ہے وصال کی حسرت، جدائی کا غم، وفاداری، بے وفائی، رقابت، شکوہ شکایت اور امید وبیم کے موضوعات پیدا کیے جا سکتے ہیں۔اور یہ عشق آسان نہیں ہوتا، بلکہ آسان نہیں بھی ہونا چاہئے۔کبھی ہیروئن ایسی شرطیں رکھ دیتی ہے جن کا پورا کرنا تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔کبھی ہیرو اور ہیروئن کے خاندانوں میں نسل در نسل دشمنی چلی آتی ہے۔اس طرح کے روڑے اٹکا کر داستان کو طویل کیا جاتا ہے۔یہ رکاوٹیں قصے کو پیچیدہ بناتی ہیں۔

جن سے داستان کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔اس ضمن میں مختلف انسانی جذبات کی عکاسی بھی ہو جاتی ہے۔

انسان جب زندگی کی تلخیوں اور ناکامیوں سے دوچار ہوتا ہے، حقیقتوں کی دنیا اسے تسلی نہیں دے سکتی اس کی ڈھارس نہیں بندھا سکتی تو وہ خواب دیکھنے لگتا ہے۔ داستانیں اسے یہ خواب دکھلاتی ہیں۔ وہ داستانوں کی خیالی دنیا میں پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ داستان گوئی انسان کا قدیم مشغلہ رہا ہے۔

اردو داستانوں کا آغاز :

داستان گوئی تقریباً ہر قوم اور ہر ملک میں پائی جاتی ہے۔عرب میں داستان گوئی کا رواج تھا وہاں سے یہ فن ایران آیا۔ فارسی سے اردو میں اِس فن کی آبیاری ہوئی بقول گیان چند جین فارسی کی مشہور داستانیں ایران میں کم اور ہندستان میں زیادہ تحریر کی گئیں۔ جہاں تک اردو میں داستان کے آغاز کا تعلق ہے اب تک کی معلومات کے مطابق فخر الدین نظامی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' اردو کی پہلی منظوم داستان ہے جو ۸۶۵ھ مطابق ۳۵۔۱۴۲۱ء کے قریب وجود میں آئی۔ اس کی زبان پر سنسکرت اور علاقائی زبانوں کے الفاظ اور قصّے پر ہندوی روایات کے گہرے اثرات ہیں۔

نثری داستانوں کا آغاز مُلّا اسد اللہ وجہی کی تصنیف ''سب رس'' سے ہوتا ہے جو ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۶۳۵ء میں لکھی گئی۔ عقل، عشق، حُسن، دل، غمزہ خیال، دیدار وغیرہ اِس تمثیلی قصّے کے اہم کردار ہیں۔ یہ کتاب مقفّٰی و مسجّع نثر کا عمدہ نمونہ اور دکنی ادب کا شاہکار تسلیم کی گئی ہے۔ اردو نثر میں داستان نویسی کا آغاز بہت دیر سے ہوا مگر اس تاخیر کے باوجود یہ اردو نثر کی اہم ترین صنف بن گئی۔ خصوصاً اردو کی ادبی و معیاری نثر کے ارتقا میں یہ صنف سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔

اردو میں داستان گوئی کا ارتقا :

اردو داستان کا ارتقا ہندوستان کی روحانی عظمت، اخلاقی قدروں کی پاسداری اور معاشرہ کی اصلاح کے مقصد سے وابستہ نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کی خوش حالی اور عیش کوشی بھی داستانوں کے ارتقا کا محرک بنی ہے۔ چنانچہ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں یہاں داستان گوئی کا سلسلہ جاری رہا ہے۔

اردو داستان کی ابتدا اگرچہ فارسی کے ترجموں سے ہوئی مگر ''قصہ مہر افروز دلبر'' سے ''الف لیلیٰ'' اور ''بوستان خیال'' کے تراجم کے زمانے تک بے شمار داستانیں ہیں جو اردو نثر کے دامن کو مختلف اسالیب کی رنگا رنگی، رومانیت، تخیل کی بلندی اور تشبیہات کی ندرت سے مالا مال کرتی ہیں۔ ان کے ذریعہ اردو نثر کے ارتقا کو بہت مدد ملی ہے۔ اردو کی مشہور داستانون میں قصہ حسن و دل، چہار درویش، حاتم طائی، گل بکاؤلی، گل صنوبر، قصہ مہر افروز دلبر، نوطرز مرصع، فسانۂ عجائب، بوستان خیال، سروش سخن اور طلسم حیرت وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ''باغ و بہار'' اردو کی سب سے مقبول داستان ہے۔ اس کا اسلوب اتنا دلکش، سادہ اور شگفتہ ہے کہ موضوع اور نفسِ داستان سے عدم دلچسپی کے

باوجود وہ ہمیشہ ہماری توجہ کا مرکز رہے گی۔ ''رانی کیتکی کی کہانی'' اکہرے پلاٹ کی مختصر داستان ہے۔ انشاء اللہ خاں نے اس میں یہ التزام کیا ہے کہ عربی فارسی کا کوئی لفظ نہ آنے پائے، اس کے باوجود زبان صاف اور رواں ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' شمالی ہند کی پہلی طبع زاد داستان ہے جس کی اہمیت اس بات سے ہے کہ اس سے پر تکلف اور پر شکوہ نثر کی بنیاد پڑی۔ ''داستان امیر حمزہ'' کو بھی تاریخ داستان گوئی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ نول کشور پریس کی شائع کردہ ۴۶ جلدوں پر مشتمل ہے۔ بقول گیان چند جین داستان امیر حمزہ کسی ایک کتاب کا نام نہیں۔ یہ تو الف لیلہ کی طرح قصہ خوانی کی ایک شاخ، ایک روایت، ایک موضوع ہے جس کے ہزار پہلو ہیں جو صدیوں تک پرورش پاتی رہی ہیں۔ اِسی میں ''طلسم ہوشربا'' کی سات جلدیں ہیں۔ ''طلسم ہوشربا'' میں زندگی آزاد، رنگین اور چمکیلی ہے۔ اس کا قصہ مصنوعی نہیں معلوم ہوتا۔ تشبیہات، تلمیحات اور استعارات کے علاوہ ظرافت کے عنصر نے بھی دلچسپی اور کشش پیدا کی ہے۔

داستان کے اظہار کے لئے نظم کے مقابلے میں نثر ہی زیادہ موزوں ہے، پھر بھی اردو میں چند منظوم داستانیں ملتی ہیں۔ گلشن عشق، پھول بن، مثنوی سحر البیان، گلزار نسیم مشہور منظوم داستانیں ہیں۔ اِن میں اختصار، زور بیان وغیرہ سب خوبیاں موجود ہیں۔ نثری داستانوں میں ''باغ و بہار''، ''رانی کیتکی کی کہانی'' اور ''فسانۂ عجائب'' بہت مقبول ہوئیں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے خیال میں ''فسانہ عجائب شمالی ہند کی پہلی طبع زاد داستان ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے مختلف اجزا میں رائج الوقت داستانوں کی جھلک ملتی ہے۔ ''فسانہ عجائب'' کی اہمیت اس بات سے ہے کہ اس سے پر تکلف اور پر شکوہ نثر کی بنیاد پڑی لیکن فسانہ عجائب کی کردار نگاری کمزور ہے۔ ہیرو ہیروئن مثالی کردار کے مالک ہیں۔

بقول علی عباس حسینی:

> ''فسانہ عجائب کا ناول کے ارتقا میں خاص حصہ ہے اس کے بعد داستان امیر حمزہ کو تاریخ داستان گوئی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بقول کلیم الدین احمد اردو میں داستان گوئی کی معراج داستان امیر حمزہ ہے۔'' گیان چند جین لکھتے ہیں کہ:
>
> ''داستان امیر حمزہ کسی ایک کتاب کا نام نہیں۔ اس کا ایک مصنف نہیں یہ کسی زمانے سے منسوب نہیں کی جاسکتی۔ یہ تو الف لیلیٰ کی طرح قصہ خوانی کی ایک شاخ، ایک روایت، ایک موضوع ہے جس کے ہزار پہلو ہیں جو صدیوں تک پرورش پاتی رہتی ہیں۔ جو خاک ایران سے اٹھتی ہے، اور ہندستان کی ہواؤں میں بالیدہ ہوتی ہے۔ اس کی تین منازل ارتقا میں سے دو فارسی قبا میں ظاہر ہوتی ہیں اور تیسری یعنی آخری اردو کے ملبوس خوش رنگ میں'' (اردو کی نثری داستانیں)

چونکہ ''داستان امیر حمزہ'' نول کشور پریس کی شائع کردہ ۴۶ جلدوں پر مشتمل ہے اس لئے کلیم الدین احمد نے صرف ''طلسم ہوش ربا'' پر بحث کر کے داستان امیر حمزہ کی خصوصیات واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''طلسم ہوش ربا'' کی بھی سات جلدیں ہیں۔ ''طلسم ہوش ربا'' میں تشبیہات، استعارات، تلمیحات کے علاوہ بہت سی خوبیاں بہ کثرت ملتی ہیں۔

داستان امیر حمزہ کے بعد قابل ذکر داستان ''بوستان خیال'' ہے اس کی ایک خصوصیت یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کا قصہ مصنوعی نہیں معلوم ہوتا۔ اس میں ہر جگہ داستان امیر حمزہ کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ داستان امیر حمزہ اور بوستان خیال میں ظرافت کے عنصر کی وجہ سے دلچسپی اور بڑھ جاتی ہے۔ داستان امیر حمزہ اور بوستان خیال کا شمار عظیم داستانون میں ہوتا ہے، ''باغ و بہار'' آرائش محفل'' اور'' فسانہ عجائب'' مختصر داستانیں ہیں۔ باغ و بہار کا درجہ آرائش محفل سے بلند ہے۔

اردو کی منظوم داستانیں :

اردو میں داستان گوئی کی ابتدا منظوم داستانوں سے ہی ہوتی ہے۔ مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' اردو کی پہلی منظوم داستان ہے جو نصیر الدین ہاشمی کے مطابق ۸۶۵ھ مطابق ۳۵۔۱۴۲۱ء کے قریب وجود میں آئی۔ اس کی زبان پر سنسکرت اور علاقائی زبانوں کے الفاظ اور قصّے پر ہندوی روایات کے گہرے اثرات ہیں۔ بعض حصّے نا قابل فہم ہیں مگر قصہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ بہمن دور کا واحد قصہ ہے۔ عادل شاہی دور کے منظوم قصوں میں مقیمی کی طبع زاد مثنوی ''چندر بدن ومہیار'' بیجا پور کی پہلی مختصر عشقیہ مثنوی ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے اس کا سالِ تصنیف ۱۰۵۰ھ قرار دیا ہے۔ اس میں سندر پٹن کی راج کماری چندر بدن اور تاجر زادہ مہیار کی داستانِ محبت بیان کی گئی ہے۔ ۱۰۵۰ھ میں ہی ابراہیم عادل شاہ ثانی کے درباری شاعر امین نے ''بہرام وحسن بانو'' کے نام سے ادھوری عشقیہ کہانی لکھی جسے بعد میں ایک دوسرے شاعر دولتؔ نے مکمل کیا۔ ۱۰۵۵ھ میں صنعتی نے بھی ''قصہ ابوتمیم انصاری'' لکھا۔ یہ ایک فرضی قصہ ہے جسے قابلِ قبول بنانے کے لئے مذہبی روایات اور اشخاص کا سہارا لیا گیا ہے۔ دکن کی منظوم داستانوں میں رستمی کی مثنوی ''خاور نامہ'' اور نصرتی کی ''گلشن عشق'' بھی لائق توجہ ہیں جو عادل شاہی دور کی یادگار ہیں۔

گول کنڈہ کی قطب شاہی حکومت کے زیر سر پرستی جو داستانیں لکھی گئیں اُن میں ملاوجہی کی ''قطب مشتری'' اہم ترین ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۰۱۸ھ مطابق ۱۶۰۹ء ہے۔ قطب مشتری زبان و بیان کے لحاظ سے وقیع ہے۔ گولکنڈہ کے دوسرے بڑے شاعر غواصی کی مثنوی ''میناستونتی'' ہندی لوک کتھا سے ماخوذ ہے۔ اس میں ایک چرواہے کی حسین بیوی منیا کی پاک دامنی اور شوہر پرستی دکھائی گئی ہے۔ غواصی کی دوسری مثنوی'' سیف الملوک وبدیع الجمال'' زیادہ مشہور ہوئی جو دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ بقول نصیر الدین ہاشمی اس کا سن تصنیف ۱۰۳۵ھ ہے۔ غواصی کی تیسری مثنوی ''طوطی نامہ'' ہے جس میں ۴۵ کہانیاں نخشبی کے فارسی طوطی نامہ سے لی گئی ہیں۔

ابن نشاطی کی مثنوی ''پھول بن'' ۱۰۶۶ھ میں معرض وجود میں آئی۔ زبان اور زور بیان کے لحاظ سے دکن کی بہترین مثنویوں میں اس کا شمار کیا گیا ہے، گولکنڈہؔ اور بیجا پور کی اکثر داستانیں فارسی سے ترجمہ یا ماخوذ ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں مقامی رنگ پایا جاتا ہے۔ بڑی تعداد عشقیہ مثنویوں کی ہے جن میں فوق فطری عناصر کم بیش موجود ہیں۔ ان مثنویوں سے دکن کی تہذیبی صورت حال کا اندازہ بھی ہوتا

ہے۔

شمالی ہند میں منظوم قصے سوداؔ اور میرؔ کے عہد میں لکھے گئے تھے مگر اس میدان میں پیش رفت اس وقت ہوئی جب اودھ میں شعروشاعری کی ایک نئی بساط بچھی اور فرصت، فراغت، خوش حالی اور حاکم وقت کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ قصہ کہانی سننے سنانے کے شوق نے سحرالبیان، مثنوی دل پذیر، گلزارنسیم، افسانۂ عشق، بحرالفت اور ترانۂ شوق جیسی مثنویاں تحریر کرائیں۔ بالخصوص سحرالبیان اور گلزارنسیم شمالی ہند کی اہم ترین مثنویاں ہیں اور دو مختلف دبستانوں کی نمائندگی بھی کرتی ہیں۔ ان کے بعد کی اکثر منظوم داستانیں ان میں سے کسی ایک کے زیر اثر لکھی گئیں۔

سحرالبیان میرحسن کی مثنوی ہے جو ۱۱۹۹ھ میں تحریر کی گئی۔ اس کی شہرت طرز بیان کی وجہ سے ہے۔ زبان صاف، دلکش، رواں بامحاورہ اور تصنع سے پاک ہے جبکہ قصے میں کوئی نیا پن نہیں ہے۔ سحرالبیان کی طرح ہی ''گلزارنسیم'' کو بھی مقبولیت ملی جو ۱۲۵۴ء کی تصنیف ہے۔ شعری صنعتوں پر جان چھڑکنے والوں نے پنڈت دیاشنکرنسیم کی رعایت لفظی، صناعی اور اختصار بیانی کو سراہا اور اسے دبستان لکھنؤ کی نمائندہ مثنوی قرار دیا۔

اردو کی نثری داستانیں :

اردو کی پہلی نثری داستان بہ اعتبار زمانہ ملاوجہی کی سب رس (۱۶۳۵ء) ہے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی گئی یہ تمثیلی مثنوی مقفّٰی مسجع نثر کا عمدہ نمونہ اور دکنی ادب کا شاہکار تسلیم کی گئی ہے۔ اس کے بعد دکن کے جن نثری داستان کا ذکر کیا جاسکتا ہے اُن میں داستان امیرحمزہ دکنی، ترجمہ طوطی نامہ ابوالفضل، ترجمہ سنگھاسن بتیسی، قصہ بہروز سوداگر، دکھنی انوار سہیلی، قصہ گل و ہرمز، اور قصہ اگروگل دکنی وغیرہ اہم ہیں۔

شمالی ہند میں جو داستانیں لکھی گئیں اُن میں تاریخی اعتبار سے عیسوی خاں کے ''قصہ مہرافروز دلبر'' (۱۷۳۲ سے ۱۷۵۹ کے درمیان) عطاحسین خاں تحسین کی ''نوطرز مرصع'' (۱۷۷۵)، مہرچند کھتری کی ''نوآئین ہندی'' (۱۸۰۳) اور شاہ عالم ثانی کی ''عجائب القصص'' کو اولیت حاصل ہے۔

اس کے بعد فورٹ ولیم کالج کی داستانوں کا دور آتا ہے، جس میں باغ و بہار، توتا کہانی، آرائش محفل، بیتال پچیسی اور اخلاق ہندی اہم ہیں۔ بالخصوص ''باغ و بہار'' اِس دور کی شناخت ہے جو فارسی قصہ چہار درویش کا ترجمہ ہے۔ اِسے ۱۸۰۲ء میں میرامن دہلوی نے روز مرہ اور بول چال کی زبان میں تحریر کیا۔ اسلوب کی جاذبیت اور مقبولیت کی وجہ سے اس کے اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔

انیسویں صدی میں فورٹ ولیم کالج کے باہر انفرادی طور پر جو داستانین لکھی گئیں ان میں سے انشاءاللہ خاں انشا کی ''رانی کیتکی کی کہانی'' (۱۸۰۳ء) اور رجب علی بیگ سرور کی ''فسانۂ عجائب'' (۱۲۴۰ھ) کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ''رانی کیتکی کی کہانی'' میں عربی، فارسی یا ترکی کے الفاظ، برج اور اودھی بولیوں اور سنسکرت آمیز ہندی سے پرہیز کیا گیا ہے۔ اردو کی طبع زاد اور مختصر ترین داستانوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ مصنف نے دیسی زبان میں لکھنے کی جو شرط عائد کرلی تھی اس کے سبب سے بعض مقامات پر انداز بیان مضحکہ خیز

ہوگیا ہے تاہم برجستہ اور برمحل جملے بھی کم نہیں۔ ''فسانۂ عجائب'' میں مسجع اور مقفّیٰ طرز نگارش کو شعوری طور پر برتا گیا ہے۔ قصہ طبع زاد ہے مگر اس میں کوئی نیا پن نہیں۔ مختلف داستانوں سے اجزاء اخذ کر کے نیا قصہ بنا دیا گیا ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے باہر متعدد داستانیں لکھی گئیں مگر مذکورہ دو داستانون کے علاوہ کسی اور کو شہرت دوام حاصل نہ ہوئی۔

اردو داستانوں کا زوال :

شمالی ہند میں داستانون کا دور دورہ تقریباً ایک صدی تک رہا۔ بیسویں صدی کے نصفِ آخر میں ناولوں کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ نذیر احمد نے پہلا ناول لکھ کر داستان کے خاتمہ کا اشارہ کر دیا۔ داستان کے زوال کے اسباب بہت واضح ہیں۔

جب ہندستان میں انگریزوں کی حکومت ہوئی اور انگریزی تعلیم کا رواج ہوا تو قوم کو مغربی علوم اور مغربی خیالات سے واقفیت ہوئی۔ سائنس نے توہمات کا قلع قمع کیا۔ اسی دور میں ہماری شاعری میں اصلاح کی جانب قدم اُٹھائے گئے اور آزاؔد و حاؔلی نے نیچرل شاعری کی وکالت کی۔ اصلاح کا یہ نزلہ کسی حد تک نثر پر بھی پڑا۔ جس طرح لاہور کی انجمن پنجاب تحریک نے بالخصوص شاعری سے سروکار رکھا اسی طرح علی گڑھ تحریک نے اپنے اظہار کے لئے نثر کا جامہ پسند کیا۔ سرسیّد نے مذہب، فلسفہ اور معاشرے میں سے روایت پرستی اور تنگ نظری کو ختم کر کے تعقل پسندی اور پیروی مغرب کا چلن چلایا۔ سرسیّد کو علمی و اصلاحی مضامین لکھنے کی ضرورت ہوئی تو انہیں سیدھے سادے سائنٹفک اسلوب سے کام لینا پڑا اور اردو میں مضمون نویسی کا آغاز ہو گیا۔

نذیؔر، حاؔلی شبؔلی اور آزاؔد بھی میدان میں کود پڑے اور اردو کے دامن کو تاریخ، تنقید، سوانح اور ادب کے شاہکاروں سے بھر دیا۔ اِس علمی رجحان نے داستانوں کو بے کار اور متروک قرار دے دیا۔ آخر ذہن بیدار ہو چکے تھے۔

اب ایسے ادب کی ضرورت پیش آئی جو غم خوار ہو، ہمدرد ہو۔ ناولوں میں زندگی کے سچے عکس نظر آئے۔ ان کے کردار ایران و ترکستان کے نہ تھے۔ ان میں قرون وسطیٰ کے رومان نہیں تھے۔ ان میں اپنے سماج اور آس پاس کی شخصیتیں تھیں۔ جانے پہچانے کردار اور جانے پہچانے مسائل تھے۔ یہ زندگی کی ہر منزل، ہر پریشانی میں کامیاب و کامران نہیں ہوتے تھے۔ انہیں دنیا کے غموں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ نذیر احمد نے قدیم تہذیب کی خوبیوں پر لکچر دیے۔ سرشار نے نوابوں کا مذاق اُڑایا۔ اہلِ مغرب سے مقابلہ کر کے جدید معاشرت کی برتری دکھائی۔ انیسویں صدی کے آخر میں سیاسی بیداری نے لوگوں کو سرگرم کر دیا۔ شہروں میں زندگی مصروف ہوگئی۔ فرصت کسے کہ طویل داستانیں پڑھ سکے۔ اب کسے دماغ کہ امیر حمزہ یا بوستان خیال پڑھ سکے۔ ایسے حضرات بڑی مشکل سے ملتے جو داستان پڑھنا چاہتے ہوں۔ عام قاری نے داستانون کے بجائے بازاری ناولوں کو ترجیح دینا شروع کر دیا۔ بیسیوں صدی کے ذہن کو داستانیں مضحکہ خیز نظر آتی ہیں۔ ان کی اہمیت آثار قدیمہ کی سی ہے۔ یہ ہمارے ماضی کا ورثہ ہیں، ہم انہیں بطور یادگار محفوظ رکھتے ہیں۔

اِس اکائی میں ہم نے اردو کی ایک اہم ادبی صنف داستان کی تعریف، فن، اہمیت اور ارتقا پر نظر ڈالی ہے۔ اور بتایا ہے کہ داستان تفریح طبع اور دل بہلانے کے لئے لکھی گئی صنف ہے جس میں کہانی کے پیرائے میں مثالی ہیرو اور رفقا کے کارنامے رزم و بزم اور حسن

وعشق کی باتیں اورمحیر العقول واقعات ایک قابلِ لحاظ طوالت اور زبان و بیان کی لطافت کا خیال رکھتے ہوئے اِس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ زمانی و مکانی دوری کے احساس کے ساتھ ساتھ دلچسپی بھی برقرار ہے۔ داستان کا پلاٹ پیچیدہ، طویل اور قصہ در قصہ ہوتا ہے۔ مافوق الفطری کردار اور فوق فطری واقعات بھی لازمی جزو سمجھے جاتے ہیں۔ حسن وعشق کے ذریعہ داستان میں رنگینی اور دلکشی پیدا کی جاتی ہے۔

اردو میں داستانوں کا دور ''مثنوی پدم راؤ کدم راؤ'' سے شروع ہوتا ہے جو ۸۶۵ھ میں لکھی گئی۔ دکن میں مشہور منظوم داستانیں ''قطب مشتری''، ''پھول بن'' اور ''طوطی نامہ'' وغیرہ لکھی گئیں تو نثر میں ''سب رس'' نے بھی لازوال شہرت حاصل کی۔ شمالی ہند میں داستانوں کی ابتدا نثری طور پر عیسوی خاں بہادر کے ''قصہ مہر افروز دلبر'' سے ہوتی ہے جبکہ بعد میں نوطرز مرصع، فسانۂ عجائب، باغ و بہار اور رانی کیتکی کی کہانی جیسی داستانیں ایک نئی تاریخ رقم کرتی ہیں۔ نثری داستانوں میں شمالی ہند کو دو ایسی مثنویاں ملیں جنھوں نے اردو ادب میں ایک دائمی مقام حاصل کرلیا۔ میری مراد مثنوی ''سحر البیان'' اور ''گلزار نسیم'' سے ہے جو اپنے اپنے رنگ اور اسلوب میں یکتا اور منفرد مثنویاں ہیں۔

انگریزی، سائنس اور مغربی علوم کی ترویج، سیاسی مصروفیات، وقت کی کمی، ذہنی بیداری وہ اہم اسباب ہیں جنھوں نے داستان کو زوال عطا کیا اور ''ناول'' کو مقبولیت بخشا۔ داستانیں اپنے عہد کی زبان، اسلوب، تہذیب و معاشرت کا مرقع ہیں اور اسی وجہ سے ہمارے ماضی کا قیمتی اَثاثہ بن کر محفوظ ہیں۔

توقع کی جاتی ہے کہ اِس اکائی میں داستان کی تعریف، ارتقا اور زوال کے تعلق سے جن نکات کی نشاندہی کی گئی ہے ان کی تفہیم آسان ہوگی اور خود طلبہ بھی اپنے طور پر اِس اکائی سے متعلق مزید معلومات حاصل کریں گے۔